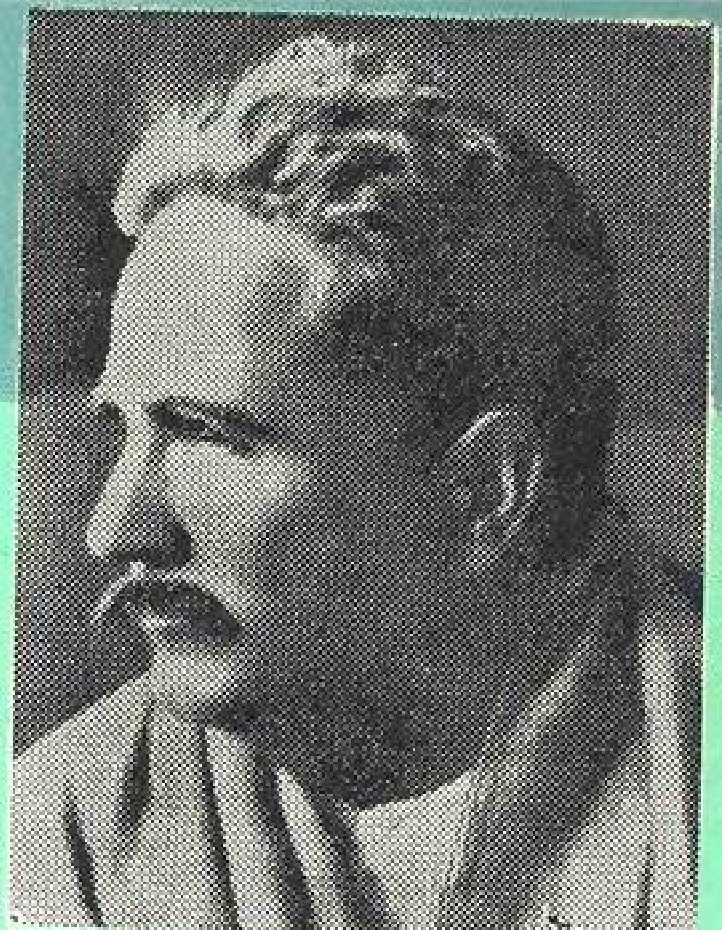

انتخابِ کلامِ اقبال

صوفی غلام مصطفٰی تبسّم

انتخابِ کلامِ اقبال

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

نیشنل کمیٹی برائے صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبالؒ

اقبال اکادمی پاکستان

۹۰ - بی - ۲ - گلبرگ ۳ ○ لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر : ڈاکٹر محمد معز الدین
ڈائرکٹر : اقبال اکادمی پاکستان
۹۰ بی - ۲ گلبرگ نمبر ۳ لاہور

مطبع : رہبر پرنٹنگ پریس لمٹیڈ
باہتمام مرزا محمد صادق
۴ - لیک روڈ لاہور

طبع اول : ۱۹۷۷

تعداد : ۱۱۰۰

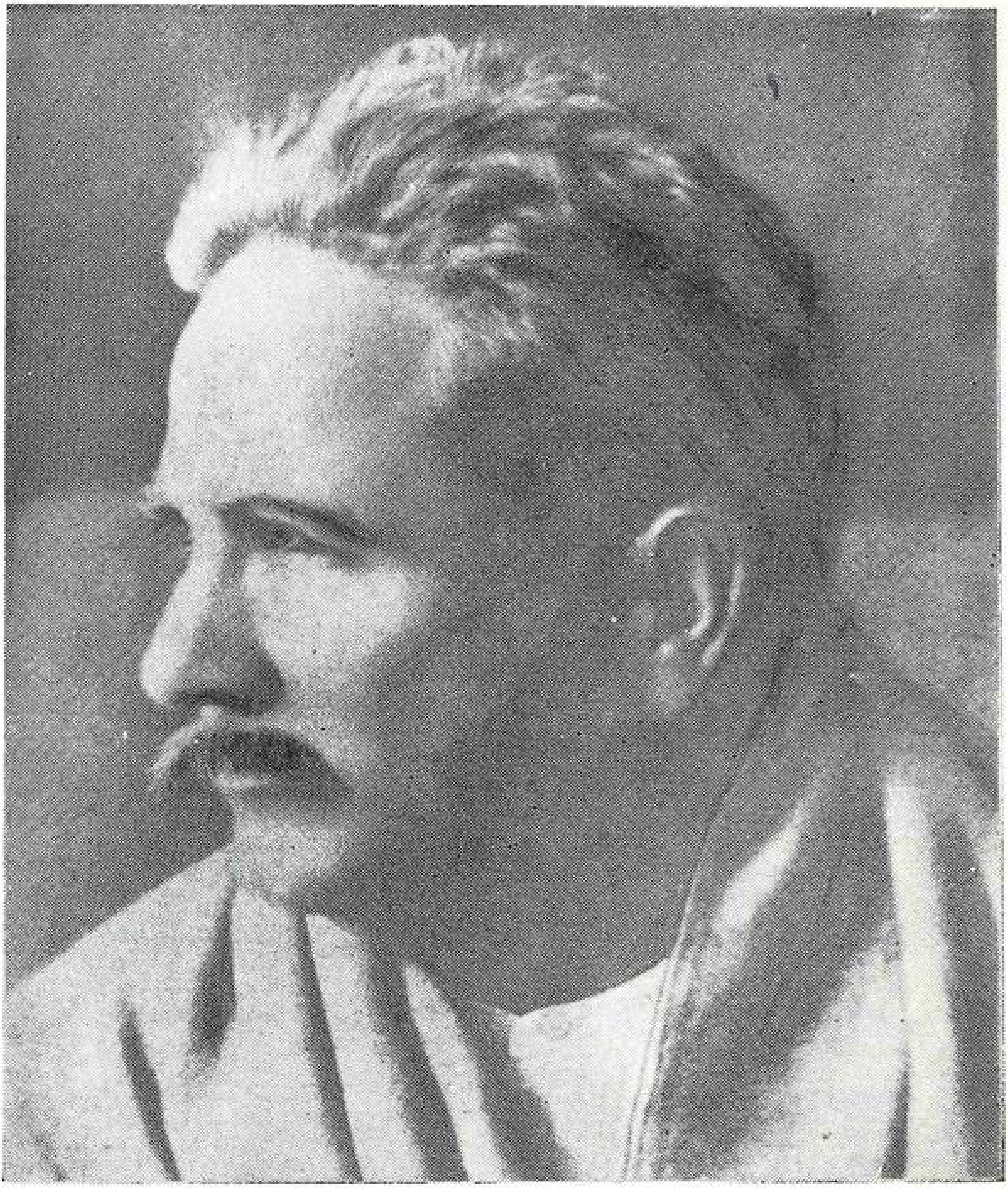

علّامہ محمّد اِقبالؒ
(۱۸۷۷ــــــ۱۹۳۸)

دیباچہ

دنیائے ادب میں جلیل القدر شعرا کے کلام کے انتخابی مجموعوں کی تعداد بیسیوں نہیں، سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے اور ان میں ہر روز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ان انتخابات میں مختلف النوع فنی اور تنقیدی زاویے پڑھنے والوں کے سامنے آتے ہیں اور ادبی ذوق اور اُس سے لذت اندوزی کے نئے نئے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں، جس سے نہ فقط ایک

فنکار کے شہپاروں سے تعارف کی صورت پیدا ہوتی ہے بلکہ ایک عام قارئین کی جمالیاتی حس کی تسکین کا سامان بھی مہیا ہو جاتا ہے۔ نوجوان طالب علم اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ دراصل یہ کام ایک گرانقدر ادبی ضرورت کو پورا کرتا ہے اور ایک ملی خدمت بھی سرانجام دیتا ہے۔

تعجب ہے کہ اب تک اقبال جیسے عظیم شاعر کے کلام کے سلسلے میں ایسی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

۱۹۷۶ء کے اوائل میں جب اقبال کے صدسالہ جشنِ ولادت کا خیال پیدا ہوا اور اس کی تشکیل اور ترتیب پر غور ہونے لگا تو خاکسار نے ارباب بست و کشاد کی توجہ اس اہم کام کی طرف مبذول کرائی اور اس کے لیے اپنی حقیر خدمات بھی پیش کیں جو منظور کر لی گئیں۔

اقبال کے افکار کی آفاقیت واضح ہے اور پھر وہ مفکر ہونے کے علاوہ ایک قادر الکلام شاعر اور فنکار بھی ہے۔ اس کی نظر دنیا کے گ شے گوشے سے گذر کر ستاروں سے آگے پڑتی ہے۔ اس کی فکر کی وسعت اور گہرائیوں کا اندازہ طالب آملی کے اس شعر سے کیجیے۔

کلیدِ قفل دو عالم بدستِ طبع من است
کدام در بکشایم، کدام در بندم

اس کے کلام کے انتخاب کا تصور کرتے ہی کئی ایک منظر سامنے آتے ہیں اور

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

ذہن سوچ میں پڑ جاتا ہے اور قلم پیچ و تاب کھانے لگتا ہے۔ خاکسار بھی کچھ وقت اسی

پیچ و تاب میں اُلجھا رہا اور گومگو کا عالم طاری رہا آخر

بیاور ہر چہ اندر سینہ داری

پر عمل کیا اور اب یہ چند اوراق آپ کے سامنے ہیں۔

اقبال کا کلام، اس کے افکار کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اس وقت اقوام عالم، ایک ذہنی اضطراب میں مبتلا ہیں۔ اقبال تمدنی اور روحانی انقلاب کا پیغامبر ہے، اس لیے اُس کے کلام اور افکار کے مطالعے کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ موجودہ مصروف زندگی میں اس کے ضخیم مجموعۂ کلام کو پڑھنے کے لیے اتنا وقت نہیں۔ یہ انتخاب بڑی حد تک کارآمد ثابت ہوگا۔

اقبال کا کلام دنیائے ادب میں زندہ رہے گا اور لازمی طور پر آئندہ نوجوان ادب و شعر کے پرستاروں کے زیر مطالعہ آئے گا جو اسے اپنے زاویۂ نظر سے دیکھیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ انتخاب، وقتی تقاضوں کے باعث، اُن کی نظروں میں نہ جچے اور ان کے اپنے معیار پہ پورا نہ اتر سکے لیکن اتنا ہو گا کہ انھیں آج کے ذوق ادب و شعر و تنقید کا اندازہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ ساتھ ہی اردو اور فارسی ادبیات کی تاریخ لکھنے والوں کو، مرور زمانہ کے باعث، ادبی ذوق اور تنقیدی معیار کے ماتحت رونما ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لینے کے لیے موزوں مواد مل سکے گا۔ مزید برآں اقبال کے قارئین کو خود اپنے ادبی مقام کا سراغ ملے گا اور وہ ایک طرف، اپنے قومی شاعر اور مفکر کی عظمت کا اندازہ کر کے اس پر نازاں ہوں گے، اور دوسری طرف اپنی ذہنی نشو و نما کے ارتقا اور ادبی پیشترفت پر فخر کریں گے۔

انتخاب کیسا ہی ہو آخر ذاتی پسند کی چیز ہے۔ قارئین سے توقع ہے کہ وہ اس بات کو ملحوظ رکھیں گے اور میری اس ادنیٰ محنت کو جو ایک عظیم مفکر اور شاعر کی خدمت میں ایک حقیر سا نذرانۂ عقیدت بھی ہے قبول فرمائیں گے۔

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

لاہور

۱۰ ستمبر ۱۹۷۷ء

فہرست

عنوان	صفحہ
ترانۂ ملی	۳
کنار راوی	۵
اِک شام	۷
پھول کا تحفہ عطا ہونے پر	۹
مرزا غالب	۱۱
والدۂ مرحومہ کی یاد میں	۱۴
خضرِ راہ	**۳۵-۲۵**
شاعر	۲۵
جوابِ خضر	
صحرا نوردی	۲۸
زندگی	۳۰
سرمایہ و محنت	۳۳

طلوع اسلام **۴۰-۳۶**

روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے ۴۱
جبریل و ابلیس ۴۴
باغی مرید ۴۷
محبت ۴۸
زمانہ ۴۹
لینن خدا کے حضور میں ۵۱
فرمانِ خدا (فرشتوں سے) ۵۶
الارض للہِ ۵۸
ساقی نامہ ۵۹
مسجد قرطبہ ۷۹

غزلیات **۱۲۱-۹۲**

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا ۹۲
گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر ۹۳
پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے ۹۴

لا پھر اِک بار وہی بادہ و جام اے ساقی ۹۵
مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو ۹۷
تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ ۹۹
وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی ۱۰۱
وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں ۱۰۳
پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن ۱۰۵
نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے ۱۰۷
افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر ۱۰۹
ہر چیز ہے محوِ خود نمائی ۱۱۱
جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی ۱۱۳
فطرت کو خرد کے رو برو کر ۱۱۵
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ۱۱۶
کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد ۱۱۸
نے مہرہ باقی نے مہرہ بازی ۱۲۰
مرد مسلمان ۱۲۲

زمانۂ حاضر کا انسان ۱۲۳

سلطان ٹیپو کی وصیت ۱۲۴

جاوید ۱۲۵

عورت سے ۱۳۰

آزادیِ نسواں ۱۳۱

ابلیس کا فرمان ۱۳۲

محراب گل افغان کے افکار ۱۳۴

قطعات ۱۳۵-۱۴۰

انتخاب

آردو

ترانۂ ملی

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے گلستانِ اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

اے موجِ دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خون تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اِس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے ، جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

کنارِ راوی

سکوت شام میں محو سرود ہے راوی
نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیت مرے دل کی

پیام سجدہ کا یہ زیر بم ہُوا مجھ کو
جہاں تمام سواد حرم ہوا مجھ کو

سر کنارۂ آب رواں کھڑا ہوں میں
خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں

شراب سُرخ سے رنگیں ہوا ہے دامنِ شام
لیے ہے پیر فلک دست رعشہ دار میں جام

عدم کو قافلۂ روز تیز گام چلا
شفق نہیں ہے یہ سورج کے پھول ہیں گویا

کھڑے ہیں دور وہ عظمت فزائے تنہائی
منارِ خواب گہِ شہسوارِ چغتائی

فسانۂ ستم انقلاب ہے یہ محل
کوئی زمانِ سلف کی کتاب ہے یہ محل

مقام کیا ہے، سرودِ خموش ہے گویا
شجر؟ یہ انجمنِ بے خروش ہے گویا

رواں ہے سینہ دریا پہ اک سفینۂ تیز
ہوا ہے موج سے ملاح جسکا گرم ستیز

سبک روی میں ہے مثل نگاہ یہ کشتی
نکل کے حلقۂ حد نظر سے دور گئی

جہاز زندگی آدمی رواں ہے یونہیں
ابد کے بحر میں پیدا یونہیں نہاں ہے یونہیں

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے، لیکن فنا نہیں ہوتا

ایک شام

دریائے نیکر (ہائیڈل برگ) کے کنارے پر

خاموش ہے چاندنی قمر کی
شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی

وادی کے نوا فروش خاموش
کہسار کے سبز پوش خاموش

فطرت بے ہوش ہو گئی ہے
آغوش میں شب کے سو گئی ہے

کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے
نیکر کا خرام بھی سکوں ہے

تاروں کا خموش کارواں ہے
یہ قافلہ بے درا رواں ہے

خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا
قدرت ہے مراقبے میں گویا

اے دل! تو بھی خموش ہو جا
آغوش میں غم کو لے کے سو جا

پھول کا تحفہ عطا ہونے پر

وہ مست ناز جو گلشن میں جا نکلتی ہے
کلی کلی کی زباں سے دعا نکلتی ہے

الٰہی پھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے
کلی سے رشکِ گل آفتاب مجھ کو کرے

تجھے وہ شاخ سے توڑیں زہے نصیب ترے!
تڑپتے رہ گئے گل زار میں رقیب ترے

اٹھا کے صدمہ فرقت وصال تک پہنچا
تری حیات کا جوہر کمال تک پہنچا

مرا کنول کہ تصدق ہیں جس پہ اہل نظر
مرے شباب کے گلشن کو ناز ہے جس پر

کبھی یہ پھول ہم آغوشِ مدعا نہ ہوا
کسی کے دامن رنگیں سے آشنا نہ ہوا

شگفتہ کر نہ سکے گی کبھی بہار اسے
فسردہ رکھتا ہے گلچیں کا انتظار اسے

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پر مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا روح تو ، بزم سخن پیکر ترا
زیبِ محفل بھی رہا ، محفل سے پنہاں بھی رہا

دید تیری آنکھ کو اس حُسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

محفلِ ہستی تری بربط ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوتِ کوھسار
تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشتِ فکر سے اُگتے ہیں عالم سبزہ وار

زندگی مضمر ہے تیری شوخیِ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر
محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدُق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلّی گلِ شیراز پر

آہ ! تو اجڑی ہوئی دلّی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشیں

ھائے ! اب کیا ہو گئی ھندوستاں کی سر زمیں
آہ ! اے نظارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں

گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزیِ پروانہ ہے

اے جہاں آباد ! اے گہوارہ علم و ھنر
ھیں سراپا نالہ خاموش تیرے بام و در
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ھیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ھیں تیری خاک میں لاکھوں گہر

دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے ؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے ؟

والدہ مرحومہ کی یاد میں

ذرہ ذرہ دھر کا زندانی تقدیر ہے
پردۂ مجبوری و بے چارگی، تدبیر ہے

آسماں مجبور ہے، شمس و قمر مجبور ہیں
انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں

ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزہ و گل بھی ہیں مجبور نمو گلزار میں

نغمہ بلبل ہو یا آواز خاموشِ ضمیر
ہے اسی زنجیر عالم گیر میں ہر شے اسیر

آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں

قلب انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے، لطفِ زیر و بم رہتا نہیں

علم و حکمت رہزنِ سامانِ اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دلِ آگاہ ہے

گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں
آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عنّابی نہیں

جانتا ہوں آہ! میں آلامِ انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز

میرے لب پر قصۂ نیرنگیِ دوراں نہیں
دل مرا حیراں نہیں، خنداں نہیں، گریاں نہیں

پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
آہ ! یہ تردید میری حکمتِ محکم کی ہے

گریۂ سرشار سے بنیاد جاں پایندہ ہے
درد کے عرفاں سے عقل سنگ دل شرمندہ ہے

موج دودِ آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا

حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

رفتہ و حاضر کو گویا پا بپا اس نے کیا
عہد طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا

جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں
بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں

اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہر بار کے

علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور

زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

کس کو اب ہو گا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار

خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

وہ جواں ، قامت میں ہے جو صورتِ سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند

کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر ، وہ بازو مرا

تجھ کو مثل طفلک بے دست و پا روتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا ، صبح و مسا روتا ہے وہ

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ اُلفت اور محکم ہو گئی

....

کہتے ہیں اہل جہاں دردِ اجل ہے لا دوا
زخم فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا

دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقہ زنجیر صبح و شام سے آزاد ہے

وقت کے افسوں سے تھمتا نالۂ ماتم نہیں
وقت زخمِ تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں

سر پہ آ جاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشکِ پیہم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رواں

ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کے سرشک آباد سے

آدمی تاب شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساسِ نا معلوم ہے

جوہر انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

رختِ ہستی خاک ، غم کی شعلہ افشانی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے

آہ یہ ضبطِ فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلاسائی ، فراموشی نہیں

پردۂ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
داغ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح

لالہ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ

سینہ بلبل کے زنداں سے سرود آزاد ہے
سینکڑوں نغموں سے بادِ صبح دم آباد ہے

خفتگانِ لالہ زار و کوہسار و رُود بار
ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہمکنار

یہ اگر آئینِ ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح

دامِ سیمینِ تخیل ہے مرا آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر

یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے

وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اُس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات

مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے

ہے وہاں بے حاصلی کشتِ اجل کے واسطے
سازگار آب و ہوا تخمِ عمل کے واسطے

نورِ فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
تنگ ایسا حلقۂ افکارِ انسانی نہیں

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اِس گھر کی نگہبانی کرے

خضرِ راہ

شاعر

ساحلِ دریا پہ میں اک رات تھا محوِ نظر
گوشۂ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب

شب سکوت افزا ، ہوا آسودہ ، دریا نرم سیر
تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب

جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیر خوار
موجِ مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مستِ خواب

رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتارِ طلسمِ ماہتاب

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیکِ جہاں پیما ، خضر
جس کی پیری میں ہے مانندِ سحر رنگِ شباب

کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویائے اسرارِ ازل
چشم دل وا ہو تو ہے تقدیرِ عالم بے حجاب

دل میں یہ سن کر بپا ہنگامہ محشر ہوا
میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا

اے تری چشم جہاں بیں پر وہ طوفاں آشکار
جن کے ہنگامے ابھی دریا میں سوتے ہیں خموش

'کشتئ مسکین' و 'جانِ پاک' و 'دیوارِ یتیم'
علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نورد
زندگی تیری ہے بے روز وشب و فردا و دوش

زندگی کا راز کیا ہے ؟ سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش

ہو رہا ہے ایشیا کا خرقۂ دیرینہ چاک
نوجوان اقوام نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش

گرچہ اسکندر رہا محروم ِ آب زندگی
فطرت ِ اسکندری اب تک ہے گرم نا و نوش

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان ِ سخت کوش

آگ ہے ، اولاد ِ ابراہیم ہے ، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟

جوابِ خضر

صحرا نوردی

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگا پوے دما دم زندگی کی ہے دلیل

اے رہینِ خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضاے دشت میں بانگ رحیل

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں، وہ سفر بے سنگ و میل

وہ نمودِ اخترِ سیماب پا، ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبینِ جبرئیل

وہ سکوتِ شامِ صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشمِ جہاں بینِ خلیل

اور وہ پانی کے چشمے پر مقامِ کارواں
اہلِ ایماں جس طرح جنت میں گردِ سلسبیل

تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیریٔ کشت و نخیل

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

زندگی

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیرِ ''کن فکاں'' ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

....

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

زندگی کی قوتِ پنہاں کو کر دے آشکار
تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے

خاکِ مشرق پر چمک جائے مثالِ آفتاب
تا بدخشاں پھر وہی لعلِ گراں پیدا کرے

سوئے گردوں نالۂ شبگیر کا بھیجے سفیر
رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

سرمایہ و محنت

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ، ہے یہ پیام کائنات

اے تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

ساحر الموت نے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بیخبر سمجھا اسے شاخ نبات

نسل ، قومیت ، کلیسا ، سلطنت ، تہذیب و رنگ
''خواجگی'' نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات

کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں تو لٹوا گیا نقد حیات

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہاے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تلک

نغمۂ بیداری جمہور ہے سامانِ عیش
قصّہ خواب آور اسکندر و جم کب تلک

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
دوریٔ جنت سے روتی چشم آدم کب تلک

باغبانِ چارہ فرما سے یہ کہتی ہے بہار
زخم گل کے واسطے تدبیر مرہم کب تلک

کرمکِ ناداں طواف شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلّی زار میں آباد ہو

طلوعِ اسلام

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی

عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی ، ذہنِ ہندی ، نطقِ اعرابی

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
'نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی'

تڑپ صحن چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں
جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی

وہ چشم پاک بیں کیوں زینت برگستواں دیکھے
نظر آتی ہے جسکو مرد غازی کی جگرتابی

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

....

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مُسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

میان شاخساران صحبت مرغ چمن کب تک
ترے بازو میں ہے پرواز شاہین قہستانی

گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زور حیدر، فقر بوذر، صدقِ سلمانی

ہوئے احرار ملت جادہ پیما کس تجمل سے
تماشائی شگاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی

ثبات زندگی ایمانِ محکم سے ہے زندان میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

....

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ولایت ، پادشاہی ، علم اشیا کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں ؟ فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

براھیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں، سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را؟ طبع بلندے، مشرب نابے
دل گرمے، نگاہِ پاک بینے، جان بیتابے

روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ

بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تیری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحر تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تیری آہوں کے شرارے

تعمیر خودی کر اثر آہِ رسا دیکھ

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے، ترے خونِ جگر میں

اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے
محنت کش و خونریز کم آزار ازل سے

ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضا دیکھ

جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدم دیرینہ ! کیسا ہے جہانِ رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو

جبریل

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو؟

ابلیس

آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو

اب یہاں میری گذر ممکن نہیں، ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو

جس کی نومیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات
اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لا تقنطوا؟

جبریل

کھو دیئے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند
چشمِ یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو

ابلیس

ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو

دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزمِ خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تو؟

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم ، دریا بہ دریا ، جو بہ جو

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ھُو ، اللہ ھُو ، اللہ ھُو

باغی مُرید

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

شہری ہو دہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانندِ بتاں پُجتے ہیں کعبے کے برہمن

نذرانہ نہیں، سُود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

محبت

شہیدِ محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی

وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے
سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی

یہ جوہر اگر کار فرما نہیں ہے
تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی

نہ محتاج سلطاں نہ مرعوب سلطاں
محبت ہے آزادی و بے نیازی

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ ہے آئینہ سازی

زمانہ

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جسکی اسی کا مشتاق ہے زمانہ

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

ہر اک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ

نہ تھا اگر تو شریک محفل، قصور میرا ہے یا کہ تیرا؟
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

مرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
ہدف سے بیگانہ تیر اس کا نظر نہیں جس کی عارفانہ

شفق نہیں مغربی اُفق پر یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوعِ فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ

وہ فکرِ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اُسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اُس کا آشیانہ

ہوائیں اُن کی، فضائیں اُن کی، سمندر اُن کے، جہاز اُن کے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر؟ بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دئے ہیں اندازِ خسروانہ

لینن

خدا کے حضور میں

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پایندہ تری ذات

میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات

محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے
بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات

آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات

ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالق اعصار و نگارندۂ آنات

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات!

جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات

وہ کونسا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود؟
وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سماوات؟

مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیوان ہے یہ ظلمات

رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سُود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات؟

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات

میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرِ شام
یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

فرمان خدا

(فرشتوں سے)

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

حق را بسجودے ، صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

تہذیب نوی کارگہ شیشہ گراں ہے
آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو!

الارض للہ

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون ؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب ؟

کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد سازگار ؟
خاک یہ کس کی ہے ؟ کس کا ہے یہ نور آفتاب ؟

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب ؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب ؟

دہ خدایا ! یہ زمیں تیری نہیں ، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں ، تیری نہیں ، میری نہیں

ساقی نامہ

ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار
ارم بن گیا دامنِ کوہسار

گل و نرگس و سوسن و نسترن
شہید ازل لالہ خونیں کفن

جہاں چھپ گیا پردہ رنگ میں
لہو کی ہے گردش رگ سنگ میں

فضا نیلی نیلی ہوا میں سرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی

اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

رکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

ذرا دیکھ اے ساقیٔ لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

پلا دے مجھے وہ مے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصل گل روز روز

وہ مے جس سے روشن ضمیر حیات
وہ مے جس سے ہے مستیٔ کائنات

وہ مے جس سے ہے سوز و سازِ ازل
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ

پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے

گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشہ دکھا کر مداری گیا

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

دل طُور سینا و فاراں دو نیم
تجلّی کا پھر منتظر ہے کلیم

مسلماں ہے توحید میں گرم جوش
مگر دل ابھی تک ہے زنّار پوش

تمدن، تصوّف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا
لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں یکتا، حمیّت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا
مری خاک جگنو بنا کر اڑا

خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر

ھری شاخ ملت ترے نم سے ہے
نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ رض سوزِ صدیق رض دے

جگر سے وہی تیر پھر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جوانوں کو سوز جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے

مری ناؤ گرداب سے پار کر
یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر

بتا مجھکو اسرار مرگ و حیات
کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں
مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے نالۂ نیم شب کا نیاز
مری خلوت و انجمن کا گداز

امنگیں مری آرزوئیں مری
امیدیں مری جستجوئیں مری

مری فطرت آئینۂ روزگار
غزالان افکار کا مرغزار

مرا دل مری رزم گاہِ حیات
گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبات

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹا دے اسے!
لٹا دے! ٹھکانے لگا دے اِسے!

دما دم رواں ہے یمِ زندگی
ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی

اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود
کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دود

گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گل
خوش آئی اسے محنتِ آب و گل

یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی
عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی

یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
مگر ہر کہیں بے چگوں بے نظیر

یہ عالم یہ بت خانۂ شش جہات
اسی نے تراشا ہے یہ سومنات

پسند اس کو تکرار کی خو نہیں
کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں

من و تو سے ہے انجمن آفریں
مگر عین محفل میں خلوت نشیں

چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے
یہ چاندی میں سونے میں پارے میں ہے

اسی کے بیاباں اسی کے ببول
اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول

کہیں اس کی طاقت سے کہسار چور
کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حور

کہیں جرہ شاہین سیماب رنگ
لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ

کبوتر کہیں آشیانے سے دور
پھڑکتا ہوا جال میں ناصبور

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند

سفر زندگی کے لیے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز

الجھ کر سلجھنے میں لذت اُسے
تڑپنے پھڑکنے میں راحت اُسے

ہوا جب اُسے سامنا موت کا
کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا

اتر کر جہانِ مکافات میں
رہی زندگی موت کی گھات میں

مذاق دوئی سے بنی زوج زوج
اٹھی دشت و کہسار سے فوج فوج

گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے
اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے!

سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات
ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات

بڑی تیز جولاں بڑی زود رس
ازل سے ابد تک رم یک نفس

زمانہ کہ زنجیر ایام ہے
دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موج نفس کیا ہے تلوار ہے
خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے

خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے بیداریٔ کائنات

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

اندھیرے اجالے میں ہے تابناک
من و تو میں پیدا من و تو سے پاک

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی
ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی

تجسس کی راهیں بدلتی هوئی
دما دم نگاهیں بدلتی هوئی

سبک اس کے هاتھوں میں سنگ گراں
پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگِ رواں

سفر اس کا انجام و آغاز ہے
یہی اس کی تقویم کا راز ہے

کرن چاند میں ہے شرر سنگ میں
یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں

اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فراز و پس و پیش سے

ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاک آدم میں صورت پزیر!

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے!

خودی کے نگہباں کو ہے زہر ناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب

وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند

فر و فال محمود سے در گزر
خودی کو نگہہ رکھ ایازی نہ کر

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

یہ عالم، یہ ہنگامۂ رنگ و صوت
یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت

یہ عالم یہ بت خانۂ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خوردونوش

خودی کی یہ ہے منزل اولیں
مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں

تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر
طلسم زمان و مکاں توڑ کر

خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید

جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود

ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخئ فکر و کردار کا

یہ ہے مقصدِ گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

تو ہے فاتح عالمِ خوب و زشت
تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت

حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ، گفتار زنگ

فروزاں ہے سینے میں شمع نفس
مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

مسجد قرطبہ

(ہسپانیہ کی سر زمیں بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلۂ روز و شب نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز شب اصلِ حیات و ممات

سلسلۂ روز و شب تارِ حریرِ دو، رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

سلسلہ روز و شب سازِ ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بمِ ممکنات

تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلہ روز و شب صیرفیٔ کائنات

تو ہو اگر کم عیار ، میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات ، موت ہے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کار جہاں بے ثبات ! کار جہاں بے ثبات !

اول و آخر فنا ، باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو ، منزلِ آخر فنا

ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات ، موت ہے اس پر حرام

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جنکا نہیں کوئی نام

عشق دمِ جبریل ، عشق دلِ مصطفےٰ
عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام

عشق فقیہِ حرم ، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات ، عشق سے نارِ حیات

اے حرم قرطبہ ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

قطرۂ خونِ جگر سِل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا ، سوز و سرور و سرود

تیری فضا دل فروز، میری نوا سینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود

عرش معلیٰ سے کم سینۂ آدم نہیں
گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہر کبود

پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا!
اس کو میسر نہیں سوز و گدازِ سجود

کافر ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درُود لب پہ صلوٰۃ و درُود

شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
نغمۂ اللہ ھُو میرے رگ و پے میں ہے

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

تیری بنا پایدار، تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ھجوم نخیل

تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند جلوہ گہہ جبرئیل

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِّ کلیم و خلیل

اس کی زمیں بے حدود اس کا آفق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل

آس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا آس نے پیام رحیل

ساقیٔ اربابِ ذوق ، فارسِ میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق ، تیغ ہے آس کی اصیل

مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لاالٰہ
سایۂ شمشیر میں آس کی پنہ لاالٰہ

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش ، اس کی شبوں کا گداز

اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم
اس کا سرور آس کا شوق آس کا نیاز اس کا ناز

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دل نواز

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

نقطۂ پرکار حق مرد خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمئ محفل ہے وہ

کعبۂ اربابِ فن سطوتِ دین مبیں!
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں

ہے تہِ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلب مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں

آہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہسوار
حاملِ ''خلق عظیم'' صاحبِ صدق و یقیں

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں

جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط، سادہ و روشن جبیں

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں
آہ! کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشقِ بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں

دیکھ چکا المنی شورشِ اصلاحِ دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں

حرفِ غلط بن گئی عصمتِ پیرِ کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتیِٔ نازک رواں

چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں

ملتِ رومی نژاد، کہنہ پرستی سے پیر
لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں

روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب
رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا!

وادیِ کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
لعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

سادہ و پرسوز ہے دخترِ دہقاں کا گیت
کشتیِ دل کے لیے سیل ہے عہدِ شباب

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب

صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

غزل

اگر کجرو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا؟
مجھے فکر جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا؟

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لا مکاں خالی
خطا کس کی ہے یا رب! لا مکاں تیرا ہے یا میرا؟

اسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر؟
مجھے معلوم کیا! وہ رازداں تیرا ہے یا میرا؟

محمد بھی ترا، جبریل بھی، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرف شیریں، ترجماں تیرا ہے یا میرا؟

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن
زوالِ آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا؟

غزل

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر

عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر

تو ہے محیطِ بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گوہر کی آبرو
میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہر شاہسوار کر

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

غزل

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

نہ کر دیں مجھ کو مجبورِ نوا فردوس میں حوریں
مرا سوزِ دروں پھر گرمیٔ محفل نہ بن جائے

کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں غمِ منزل نہ بن جائے

بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے

کہیں اُس عالمِ بے رنگ و بو میں بھی طلب میری
وہی افسانۂ دنبالہ محمل نہ بن جائے

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

غزل

لا پھر وہی اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی !
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی !

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی !

مری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

عشق کی تیغِ جگردار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات
ہو نہ روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

غزل

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مے لاالٰہ اِلاّ ھُو

نہ مے نہ شعر نہ ساقی نہ شورِ چنگ و رباب
سکوتِ کوہ و لبِ جوے و لالۂ خود رو

گدائے میکدہ کی شان بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو

مرا سبو چہ غنیمت ہے اِس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

میں نونیاز ، ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو

اگرچہ بحر کی موجوں میں ہے مقام اُس کا
صفائے پاکی طینت سے ہے گہر کا وضو

جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اُس کے
نگاہِ شاعر رنگیں نوا میں ہے جادو

غزل

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہ محبت، وہ نگہ کا تازیانہ

یہ بتانِ عصر حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ، نہ تراش آزرانہ

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے، نہ قفس نہ آشیانہ

رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی
کہ عجم کے میکدوں میں نہ رہی مۓ مُغانہ

مرے ہم صفیر اِسے بھی اثرِ بہار سمجھے
انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

مرے خاک و خوں سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلۂ شہید کیا ہے ؟ تب و تابِ جاودانہ

تری بندہ پروری سے مرے دن گذر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

غزل

وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی
مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے ؟ یہ مکاں کہ لامکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں ہے ، کہ تری کرشمہ سازی

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی ، کبھی پیچ و تاب رازی

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

نہ زباں کوئی غزل کی ، نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دل کشا صدا ہو عجمی ہو یا کہ تازی

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگاہ کی تیغ بازی!

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بد گماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

غزل

وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفسِ جبرئیل دے تو کہوں

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گونا گوں

عجب مزا ہے مجھے لذتِ خودی دیکر
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں

ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق
نہ مال و دولتِ قاروں، نہ فکرِ افلاطوں

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفٰی سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

علاج آتش رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

غزل

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغ چمن

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے ، نیلے نیلے ، پیلے پیلے پیرہن

برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن ؟

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن ، اپنا تو بن !

من کی دنیا ؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا ؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

غزل

نگاہ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

فلک نے اُن کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

اسی خطا سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مآلِ سکندری کیا ہے

کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

غزل

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز و تب و تاب اول، سوز و تب و تاب آخر

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول، دیتے ہیں شراب آخر

کیا دبدبۂ نادر، کیا شوکت تیموری
ہو جاتے ہیں سب دفتر غرق مئے ناب آخر

خلوت کی گھڑی گزری جلوت کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

غزل

ہر چیز ہے محو خود نمائی
ہر ذرہ شہید کبریائی

بے ذوق نمود زندگی موت
تعمیر خودی میں ہے خدائی

رائی زور خودی سے پربت
پربت ضعفِ خودی سے رائی

تارے آوارہ و کم آمیز
تقدیر وجود ہے جدائی

یہ پچھلے پہر کا زرد رُو چاند
بے راز و نیاز آشنائی

تیری قندیل ہے ترا دل
تو آپ ہے اپنی روشنائی

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمود سیمیائی

ہیں عقدہ کشا یہ خار صحرا
کم کر گلۂ برہنہ پائی

غزل

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

نومید نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

اے طائر لاہوتی، اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

آئین جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

غزل

فطرت کو خرد کے روبرو کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر

تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر

تاروں کی فضا ہے بے کرانہ
تو بھی یہ مقام آرزو کر

عریاں ہیں ترے چمن کی حوریں
چاک گل و لالہ کو رفو کر

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر

غزل

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاهیں ہے پرواز ہے کام ترا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

غزل

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

یہ مدرسہ یہ جواں یہ ، سرور و رعنائی
انھیں کے دم سے ہے میخانۂ فرنگ آباد

نہ فلسفی سے نہ مُلّا سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت! وہ اندیشہ و نظر کا فساد

فقیہہ شہر کی تحقیر ! کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرویز
خدا کی دین ہے سرمایۂ غمِ فرہاد

کیے ہیں فاش رموز قلندری میں نے
کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد

رشیؔ کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمیؑ ہے کارِ بے بنیاد

غزل

نے مہرہ باقی ، نے مہرہ بازی
جیتا ہے رومیؔ ہارا ہے رازیؔ

روشن ہے جام جمشید اب تک
شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا
تو بھی نمازی ، میں بھی نمازی

میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں مُلّا ہو غازی

ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
حرف محبت ترکی نہ تازی

آزر کا پیشہ خارا تراشی
کار خلیلاں[۴] خارا گدازی

تو زندگی ہے پائندگی ہے
باقی ہے جو کچھ سب خاکبازی

مرد مسلمان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

زمانۂ حاضر کا انسان

’عشق ناپید و خرد می گردش صورتِ مار‘
عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

سلطان ٹیپو کی وصیت

تو رہ نوردِ شوق ہے ! منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب ! بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز ! گرمیٔ محفل نہ کر قبول

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے ، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

جاوید سے

۱

غارتِ گرِ دیں ہے یہ زمانہ
ہے اس کی نہاد کافرانہ

دربارِ شہنشہی سے خوشتر
مردانِ خدا کا آستانہ

لیکن یہ دورِ ساحری ہے
انداز ہیں سب کے جادوانہ

سر چشمۂ زندگی ہوا خشک
باقی ہے کہاں مۓ شبانہ

خالی آن سے ہُوا دبستاں
تھی جن کی نگاہ تازیانہ

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اُس کا مذاق عارفانہ

جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ

شاخِ گل پر چہک و لیکن
کر اپنی خودی میں آشیانہ

وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا
ہر قطرہ ہے بحرِ بیکرانہ

دهقان اگر نہ ہو تن آساں
ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ

"غافل منشیں نہ وقت بازیست
وقتِ ہنر است و کار سازیست"

۲

سینے میں نہ ہو اگر دلِ گرم
رہ جاتی ہے زندگی میں خامی

نخچیر اگر ہو زیرک و چست
آتی نہیں کام کہنہ دامی

ہے آبِ حیات اسی جہاں میں
شرط اس کے لیے ہے تشنہ کامی

غیرت ہے طریقت حقیقی
غیرت سے ہے فقر کی تمامی

اے جانِ پدر نہیں ہے ممکن
شاہیں سے تدرو کی غلامی

نایاب نہیں متاع گفتار
صد انوریؔ و ہزار جامیؔ

ہے میری بساط کیا جہاں میں
بس ایک فغانِ زیر بامی

اک صدق مقال ہے کہ جس سے
میں چشم جہاں میں ہوں گرامی

اللہ کی دین ہے جسے دے
میراث نہیں بلند نامی

اپنے نور نظر سے کیا خوب
فرماتے ہیں حضرت نظامی

''جامئی که بزرگ بایدت بود
فرزندئ من ندارت سود''

عورت

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں

مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی، لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

آزادی نسواں

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند

کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند

اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں مردان خرد مند

کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادی نسواں کہ زمرد کا گلو بند

ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زناریوں کو دیرِ کہن سے نکال دو

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

محراب گل افغان کے افکار

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے

وہی شراب وہی ہا و ہُو رہے باقی
طریق ساقی و رسم کدو بدل جائے

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

قطعہ

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

زمانے کی یہ گردش جاودانہ
حقیقت ایک تو باقی فسانہ

کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا
فقط امروز ہے تیرا زمانہ

تری دنیا جہان مرغ و ماہی
مری دنیا فغان صبح گاہی

تری دنیا میں میں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پادشاہی

یقین مثل خلیل آتش نشینی
یقین اللہ مستی خود گزینی

سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی

کوئی دیکھے تو میری نے نوازی
نفس ہندی، مقام نغمہ تازی

نگہ آلودۂ انداز افرنگ
طبیعت غزنوی، قسمت ایازی

خرد سے راہ رو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے؟ چراغ رہ‌گزر ہے

درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ رہ‌گزر کو کیا خبر ہے

رہ و رسم حرم نامحرمانہ
کلیسا کی ادا سوداگرانہ

تبرک ہے مرا پیراہن چاک
نہیں اہل جنوں کا یہ زمانہ

ظلام بحر میں کھو کر سنبھل جا
تڑپ جا پیچ کھا کھا کر بدل جا

نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج
ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا

خودی کی خلوتوں میں گم رہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں

نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوۂ دوست
قیامت میں تماشا بن گیا میں

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

انتخاب

فارسی

فہرست

عنوان	صفحہ
ربط فرد و ملت	۱
اخوت اسلامیہ	۲
مساوات اسلامیہ	۵
حریت اسلامیہ	۸
بحضور رحمۃٌ اللعالمین	۱۱
قطعات	۱۳-۲۰
میلاد آدم	۲۱
فصل بہار	۲۲
سرودِ انجم	۲۵
کرمک شب تاب	۲۸
حدی	۳۰
محاورہ مابین خدا و انسان	۳۳

تنہائی ۳۴
غنی کاشمیری ۳۶

غزلیات ۳۷-۸۰

صورت نہ پرستم من بتخانہ شکستم من ۳۷
دانۂ سبحہ بہ زنّار کشیدن آموز ۳۸
فریبِ کشمکشِ عقل دیدنی دارد ۳۹
بتانِ تازہ تراشیدۂ دریغ از تو ۴۰
می شود پردہ چشمم پرِ کاہے گاہے ۴۱
درون سینۂ ما سوز آرزو ز کجاست ؟ ۴۱
غزل سرا و نواہاے رفتہ باز آور ۴۲
دل و دیدۂ کہ دارم ہمہ لذت نظارہ ۴۳
فصل بہار ایں چنیں ، بانگ ہزار این چنیں ۴۴
بر عقلِ فلک پیما ترکانہ شبیخون بہ ۴۵
یا مسلمان را مدہ فرمان کہ جان برکف بنہ ۴۶
سوز و گدازِ زندگی لذت جستجوے تو ۴۷

زهر نقشے کہ دل از دیدہ گیرد پاک می آیم ۴۸
ز شاعر ، نالۂ مستانہ در محشر چہ می خواهی ۴۹
نہ در اندیشۂ من کا رزار کفر و ایمانے ۴۹
خوشتر ز هزار و پارسائی ۵۰
بجهانِ دردمندان تو بگو چہ کار داری ؟ ۵۱
کفِ خاک برگ و سازم بر ہے فشانم آورا ۵۲
رمزِ عشقِ تو بہ اربابِ هوس نتوان گفت ۵۳
بہ فغان نہ لب کشودم کہ فغان اثر ندارد ۵۴
بحرفے می توان گفتن تمنائے جهانے را ۵۵
برخیز کہ آدم را هنگامِ نمود آمد ۵۶
مہ و ستارہ کہ در راہِ شوق هم سفرانند ۵۶
خضرِ وقت از خلوت دشت حجاز آید برون ۵۷
از غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگران خیز ۵۸
عاشق آں نیست کہ لب گرم فغانے دارد ۶۱
درین چمن دلِ مرغان ، زمان زمان دگر است ۶۲

خواجه از خونِ رگِ مزدور سازد لعل ناب ۶۳
کشاده رو ز خوش و نا خوشِ زمانه گذر ۶۶
زندگی در صدفِ خویش گهر ساختن است ۶۷
کشیدی باده ها در صحبت بیگانه پے در پے ۶۸
من هیچ نمی ترسم از حادثهٔ شب ها ۶۹
جهان رنگ و بو پیدا، تو میگوئی که راز است این ۷۰
من بندهٔ آزادم عشق است امام من ۷۱
خود را کنم سجودے، دیر و حرم نمانده ۷۲
مئے دیرینه و معشوق جوان چیزے نیست ۷۳
بآدمے نرسیدی خدا چه می جوئی ۷۴
بیا که سازِ فرنگ از نوا بر افتاد است ۷۵
از دیر مغان آیم بے گردش صهبامست ۷۶
سوز سخن ز نالهٔ مستانه دل است ۷۷
یا مسلمان را مده فرمان که جان بر کف بنه ۷۸
سوز و گداز زندگی لذت جستجوے تو ۷۹
به فغان نه لب کشودم که فغان اثر ندارد ۸۰

ربط فرد و ملّت

فرد را ربط جماعت رحمت است
جوهرِ او را کمال از ملت است

تا توانی با جماعت یار باش
رونقِ هنگامهٔ احرار باش

حرزِ جاں کن گفتهٔ خیرالبشر
هست شیطاں از جماعت دور تر

فرد و قوم آئینهٔ یک دیگر اند
سلک و گوهر، کهکشان و اختر اند

فرد می گیرد ز ملّت احترام
ملّت از افراد می یابد نظام

فرد تا اندر جماعت گم شود
قطرهٔ وسعت طلب، قلزم شود

اخوت اسلامیه

شد اسیرِ مُسلمے اندر نبرد
قائدے از قائدانِ یزد جرد

گبر باران دیده و عیّار بود
حیله‌جو و پُرفن و مکّار بود

از مقام خود خبردارش نه کرد
هم زنامِ خود خبردارش نه کرد

گفت می‌خواهم که جان بخشی مرا
چون مسلمانان امان بخشی مرا

کرد مسلم تیغ را اندر نیام
گفت خونت ریختن بر من حرام

چون درفش کاویانی چاک شد
آتش اولادِ ساسان خاک شد

آشکارا شد که جابان است آو
میر سربازانِ ایران است آو

قتل آو از میر عسکر خواستند
از فریب آو سخن آراستند

بوعبید آں سید فوج حجاز
دروغا عزمش ز لشکرے نیاز

گفت اے یاراں مسلمانیم ما
تارِ چنگیم و یک آهنگیم ما

نعرۂ حیدر نواے بوذر است
گرچه از حلقِ بلال و قنبر است

هر یکی از ما امینِ ملّت است
صلح وکینش صلح وکینِ ملت است

ملت از گردد اساس جان فرد
عہد ملت می شود ایمان فرد

گرچہ جاپان دشمن ما بودہ است
مسلمے آو را امان بخشودہ است

خون او اے معشرِ خیرالانام
بر دم تیغِ مسلمانان حرام

مساوات اسلامیہ

بود معمارے ز اقلیم ُخجند
در فن تعمیر نام آو بلند

ساخت آں صنعت گرِ فرهاد زاد
مسجدے از حکم سلطان مراد

خوش نیامد شاه را تعمیر آو
خشمگیں گردید از تقصیر آو

آتش سوزنده ازچشمش چکید
دست آں بیچاره از خنجر برید

جوے خوں از ساعد معمار رفت
پیش قاضی ناتواں و زار رفت

آں هنرمندے که دستش سنگ ُسفت
داستان جور سلطاں باز گفت

گفت اے پیغام حق گفتار تو
حفظ آئینِ محمد کار تو

سفته گوش سطوت شاهاں نیم
قطع کن از روے قرآں دعویم

قاضی عادل بدنداں خسته لب
کرد شه را درحضورِ خود طلب

رنگِ شه از هیبتِ قرآں پرید
پیش قاضی چوں خطا کاراں رسید

از خجالت دیده بر پا دوخته
عارض او لاله ها اندوخته

یک طرف فریادی دعویٰ گرے
یک طرف شاهنشهِ گردوں فرے

گفت شاه از کرده خجلت برده ام
اعتراف از جرم خود آورده ام

گفت قاضی فی القصاص آمد حیات
زندگی گیرد بایں قانون ثبات

عبد مسلم کمتر از احرار نیست
خونِ شه رنگیں تر از معمار نیست

چوں مراد ایں آیۂ محکم شنید
دست خویش از آستیں بیروں کشید

مدعی را تاب خاموشی نماند
آیۂ بالعدل و الاحسان خواند

گفت از بہرِ خدا بخشیدمش
از برائے مصطفیٰ بخشیدمش

یافت مورے بر سلیمانے ظفر
سطوتِ آئینِ پیغمبر نگر

پیش قرآن بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسند دیبا یکے است

حریت اسلامیه

هر که پیمان با هوالموجود بست
گردنش از بند هر محبود رست

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکنِ ما ممکن است

....

عشق صید از زورِ بازو افگمند
عقل مکّار است و دامے می زند

عقل راسرمایه از بیم و شک است
عشق را عزم و یقین لاینفک است

آں کند تعمیر تا ویراں کند
ایں کند ویراں که آباداں کند

عقل میگوید که خود را پیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن

عقل گوید شاد شو، آباد شو
عشق گوید بنده شو آزاد شو

عشق را آرام جان حرّیّت است
ناقه اش را ساربان حرّیّت است

آن امام عاشقان پور بتول
سرو آزادے ز بستان رسول

سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخی این مصرع از مضمون او

درمیان امت آن کیوان جناب
همچو حرف قل هوالله در کتاب

بر زمین کربلا بارید و رفت
لاله در ویرانه ها کارید و رفت

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

بهر حق در خاک و خون غلطیده است
پس بنائے لااله گردیده است

رمز قرآن از حسین آموختیم
ز آتش او شعله ها اندوختیم

شوکت شام وفرِ بغداد رفت
سطوت غرناطه هم از یاد رفت

تارِ ما از زخمه اش لرزان هنوز
تازه از تکبیر او ایمان هنوز

اے صبا! اے پیکِ دور افتادگان
اشک ما بر خاکِ پاکِ او رسان

بحضور رحمة للعالمین

رختِ جان تا در جهان آورده‌ام
آرزوے دیگرے پرورده‌ام

همچو دل در سینه ام آسوده است
محرم از صبحِ حیاتم بوده‌است

از پدر تا نام تو آموختم
آتشِ این آرزو افروختم

تا فلک دیرینه‌تر سازد مرا
در قمارِ زندگی بازد مرا

آرزوے من جوان‌تر می شود
این کهن صهبا گران‌تر می شود

این تمنا زیرِ خاکم گوهر است
در شبم، تابِ همین یک اختر است

هست شانِ رحمتت گیتی نواز
آرزو دارم که میرم در حجاز

فرخا شهرے که تو بودی درآن
اے خنک خاکے که آسودی درآن

کوکبم را دیدهٔ بیدار بخش
مرقدے در سایهٔ دیوار بخش

تا بیاساید دلِ بے تابِ من
بستگی پیدا کند سیمابِ من

با فلک گویم که آرامم نگر
دیده‌ای آغازم، انجامم نگر

دلا رمزِ حیات از غنچه دریاب
حقیقت در مجازش بی‌حجاب است
ز خاکِ تیره می‌روید ولیکن
نگاهش بر شعاعِ آفتاب است

هزاران سال با فطرت نشستم
باو پیوستم و از خود گسستم
ولیکن سرگذشتم، این دو حرف است
تراشیدم، پرستیدم، شکستم

چو در جنت خرامیدم پس از مرگ
بچشمم این زمین و آسمان بود
شکے با جانِ حیرانم در آویخت
جهان بود آن که تصویرِ جهان بود

تراش از تیشهٔ خود جادهٔ خویش
براهِ دیگران رفتن عذاب است
گر از دستِ تو کارِ نادر آید
گناهے هم اگر باشد ثواب است

جهان مشتِ گل و دل حاصل اوست
همین یک قطرهٔ خون مشکلِ اوست
نگاهِ ما دوبین افتاده، ورنه
جهانِ هر کسے اندر دلِ اوست

نوائے عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم
جهان او آفرید، این خوبتر ساخت
مگر با ایزد انباز است آدم

نه من انجام و نے آغاز جویم

همه رازم ، جهانِ راز جویم

گر از روے حقیقت پرده گیرند

همان بوک و مگر را باز جویم

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے

تنے محکم تر از سنگین حصارے

درونِ او دلِ دردآشنائے

چو جُوے در کنارِ کوهسارے

شنیدم در عدم پروانه می گفت

دمے از زندگی تاب و تبم بخش

پریشان کن سحر خاکسترم را

ولیکن سوز و سازِ یک شبم بخش

سحر در شاخسارِ بوستانے

چه خوش می گفت مرغِ نغمه‌خوانے

برآور هرچه اندر سینه داری

سرودے، ناله اے، آہے، فغانے

نه پیوستم درین بستان‌سرا دل
ز بندِ این و آن آزاده رفتم
چو بادِ صبح گردیدم دمے چند
گلان را آب و رنگے داده رفتم

سفالم را مےِ او جامِ جم کرد
درونِ قطره‌ام پوشیده یم کرد
خرد اندر سرم بتخانهٔ ریخت
خلیلِ عشق دیرم را حَرَم کرد

گدائے جلوہ رفتی بر سرِ طور
که جانِ تو ز خود نا محرمے هست
قدم در جستجوے آدمے زن
خدا هم در تلاشِ آدمے هست

ز من با شاعرِ رنگین بیان گوے
چه سود از سوز، اگرچون لاله سوزی
نه خود را می‌گدازی ز آتشِ خویش
نه شامِ دردمندے بر فروزی

تو اے شیخ حرم شاید ندانی
جهانِ عشق را هم محشرے هست
گناه و نامه و میزان ندارد
نه آو را مسلمے نے کافرے هست

وفا نا آشنا، بیگانه خو بود
نگاهش بیقرار از جستجو بود
چو دید آو را، پرید از سینهٔ من
ندانستم که دست آموزِ آو بود

میلاد آدم

نعره زد عشق که خونین جگرے پیدا شد
حسن لرزید که صاحب نظرے پیدا شد

فطرت آشفت که از خاکِ جهانِ مجبور
خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد

خبرے رفت ز گردون به شبستانِ ازل
حذر اے پردگیانِ پرده درے پیدا شد

آرزو بے خبر از خویش بآغوشِ حیات
چشم وا کرد و جهانِ دگرے پیدا شد

زندگی گفت که در خاک تپیدم همه عمر
تا ازین گنبد دیرینه درے پیدا شد

فصل بهار

خیز که در کوه و دشت خیمه زد ابرِ بهار
مست ترنم هزار
طوطی و دارَج و سار
بر طرف جوئبار
کشتِ گل و لاله زار
چشم تماشا بیار
خیز که در کوه و دشت خیمه زد ابر بهار

خیز که در باغ و راغ قافلهٔ گل رسید
بادِ بهاران و زید
مرغ نوا آفرید
لاله گریبان درید
حسن گلِ تازه چید
عشق غمِ نو خرید
خیز که در باغ و راغ قافلهٔ گل رسید

بلبلگان در صفیر، صلصلگان در خروش

خونِ چمن گرم جوش
اے که نشینی خموش
در شکن آئینِ هوش
بادهٔ معنی بنوش
نغمه سزا، گل بپوش

بلبلگان در صفیر، صلصلگان در خروش

حجره نشینی گذار، گوشهٔ صحرا گزین

بر لب جوے نشین
آبِ رواں را ببین
نرگسِ ناز آفرین
لخت دل فرودین
بوسه زنش بر جبین

حجره نشینی گذار، گوشهٔ صحرا گزین

دیدهٔ معنی کشا، اے زعیان بے خبر

لاله کمر در کمر
نیمهٔ آتش به بر
می چکدش بر جگر
شبنم اشکِ سحر
در شفق انجم نگر

دیدهٔ معنی کشا، اے زعیان بے خبر

خاکِ چمن وا نمود رازِ دلِ کائنات

بود و نبود صفات
جلوه گری هاے ذات
آنچه تو دانی حیات
آنچه تو خوانی ممات
هیچ ندارد صفات

خاکِ چمن وا نمود رازِ دلِ کائنات

سرودِ انجم

هستیِ ما، نظام ما
مستیِ ما خرام ما
گردش بے مقام ما
زندگیِ دوام ما
دور فلک بکامِ ما، می نگریم و می رویم

جلوه گه شهود را
بتکدهٔ نمود را
رزم نبود و بود را
کشمکشِ وجود را
عالم دیر و زود را، می نگریم و می رویم

گرمیِ کارزار ها
خامیِ پخته‌کار ها
تاج و سریر و دارها
خواریِ شهریارها
بازیِ روزگارها، می نگریم و می رویم

خواجه ز سروری گذشت
بنده ز چاکری گذشت
زاری و قیصری گذشت
دور سکندری گذشت
شیوهٔ بت گری گذشت ، می نگریم و رویم

خاکِ خموش و درخروش
سست نَهاد و سخت کوش
گاه به بزمِ نا و نوش
گاه جنازهٔ بدوش
میرِ جهان وسفته گوش ، می نگریم و می رویم

تو به طلسمِ چون و چند
عقلِ تو در کشاد و بند
مثلِ غزاله در کمند
زار و زبون و درد مند
ما به نشیمن بلند ، می نگریم و می رویم

پرده چرا ، ظهور چیست؟
اصلِ ظلام و نور چیست؟
چشم و دلِ و شعور چیست؟
فطرتِ نا صبور چیست؟
این همه نزد و دور نیست؟ می نگریم و می رویم

بیشِ تو نزد ما کمے
سالِ تو پیش ما کمے
اے بکنارِ تو یمے
ساختهٔ به شبنمے
ما بتلاشِ عالمے ، می نگریم و می رویم

کرمک شب تاب

یک ذرهٔ بے مایه متاعِ نفس اندوخت
شوق این قدرش سوخت که پروانگی آموخت

پہنائے شب افروخت

وا مانده شعاعے که گره خورد و شرر شد
از سوزِ حیات است که کارش همه زر شد

دارائے نظر شد

پروانهٔ بے تاب که هر سُو تگ وپو کرد
بر شمع چنان سوخت که خود را همه‌او کرد

ترکِ من و تو کرد

یا اختر کے ماهِ مبینے به کمینے
نزدیک تر آمد به تماشائے زمینے

از چرخِ برینے

یا ماه تنک ضو که بیک جلوه تمام است
ماہے که برو منتِ خورشید حرام است
آزاد مقام است

اے کرمکِ شب تاب سراپاے تو نور است
پروازِ تو یک سلسلهٔ غیب و حضور است
آئینِ ظهور است

در تیره شبان مشعلِ مرغانِ شب استی
آن سوز چه سوز است که در تاب و تب استی
گرم طلب استی

مائیم که مانندِ تو از خاک دمیدیم
دیدیم تپیدیم و ندیدیم و تپیدیم
جاے نرسیدیم

گویم سخن پخته و پرورده و ته دار
از منزلِ گم گشته مگو پاے به ره دار
این جلوه نگه دار

حدی

ناقهٔ سیارِ من آهوے تاتار من
درهم و دینار من اندک و بسیارِ من
دولت بیدار من
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

دلکش و زیباستی شاهد رعناستی
روکش حوراستی غیرتِ لیلاستی
دختر صحراستی
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

در تپش آفتاب غوطه زنی در سراب
هم به شب ماهتاب تندروی چون شهاب
چشم تو نادیده خواب
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

لکهٔ ابر روان کشتیِ بے بادبان
مثل خضر راه دان بر تو سبک هر گران

لختِ دل ساربان

تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

سوز تو اندر زمام ساز تو اندر خرام
بے خورش و تشنه کام پا به سفر صبح و شام

خسته شوی از مقام

تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست

شام تو اندر یمن صبح تو اندر قرن
ریگ درشت وطن پاے ترا یا سمن

اے چو غزال ختن

تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

مه ز سفر پا کشید　　در پسِ تل آرمید
صبح ز مشرق دمید　　جامهٔ شب بر درید

باد بیابان وزید

تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

نغمهٔ من دلکشاے　　زیر و بمش جانفزاے
قافله ها را دراے　　فتنه رُبا، فتنه زا

اے به حرم چهره سا

تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

محاوره ما بین خدا و انسان

خدا

جهان را ز یک آب و گل آفریدم
تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی

من از خاک پولاد ناب آفریدم
تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نهالِ چمن را
قفس ساختی طائرِ نغمه زن را

انسان

تو شب آفریدی ، چراغ آفریدم
سفال آفریدی ، اياغ آفریدم

بیابان و کهسار و زاغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم که از سنگ آئینه سازم
من آنم که از زهر نوشینه سازم

تنهائی

به بحر رفتم و گفتم به موج بیتابے
همیشه در طلب استی ، چه مشکلے داری

هزار لولوے لالاست در گریبانت
درونِ سینه چو من گوهر دلے داری

تپید و از لبِ ساحل رمید و هیچ نگفت

بکوه رفتم و پرسیدم این چه بیدردی است
رسد بگوش تو آه و فغان غم زادهٔ ؟

اگر به سنگ تو لعلے ز قطرهٔ خون است
یکے در آ بسخن با منِ ستم زدهٔ

بخود خزید و نفس درکشید و هیچ نگفت

ره دراز بریدم ، ز ماه پرسیدم
سفر نصیب ! نصیب تو منزلے است که نیست

جهان ز پرتوِ سیماے توِ سمن زارے
فروغ داغ تو از جلوهٔ دلے است که نیست

سوے ستاره رقیبانه دید و هیچ نگفت

شدم بحضرت یزدان گذشتم از مه و مهر
که در جهان تو یک ذره آشنایم نیست

جهان تهی ز دل و مشت خاک من همه دل
چمن خوش است ولے در خور نوایم نیست

تبسّمے به لبِ او رسید و هیچ نگفت

غنی کاشمیری

غنی آن سخنگوے بلبل صفیر
نوا سنجِ کشمیرِ مینو نظیر
چو اندر سرا بود در بسته داشت
چو رفت از سرا ، تخته را واگذاشت
یکے گفتش اے شاعر دل رسے
عجب دارد از کار تو هر کسے
بپاسخ چه خوش گفت مرد فقیر
فقیر و با قلیم معنی امیر
ز من آنچه دیدند یاران رواست
درین خانه جزمن متاعے کجاست
غنی تا نشیند به کاشانه اش
متاعے گرانے است در خانه اش
چو آن محفل افروز در خانه نیست
تهی تر ازین هیچ کاشانه نیست

غزل

صورت نه پرستم من ، بتخانه شکستم من
آن سیل سبک سیرم ، هربند گسستم من

در بود و نبود من، اندیشه گمان ها داشت
از عشق هویدا شد، این نکته که هستم من

در دیر نیاز من ، در کعبه نماز من
زنّار بدوشم من ، تسبیح بدستم من

سرمایهٔ درد تو ، غارت نتوان کردن
اشکی که ز دل خیزد ، در دیده شکستم من

فرزانه بگفتارم ، دیوانه به کردارم
از بادهٔ شوق تو هشیارم و مستم من

غزل

دانهٔ سجه به زنار کشیدن آموز
گر نگاهِ تو دو بین است ندیدن آموز

آفریدند اگر شبنم بے مایه ترا
خیز و بر داغِ دلِ لاله چکیدن آموز

اگرت خارِ گل تازه رسے ساخته اند
پاس ناموس چمن دار و خلیدن آموز

باغبان گر ز خیابان تو برکند ترا
صفت سبزه ، دگر باره دمیدن آموز

در بتخانه زدم ، مغ بچگانم گفتند
آتشے در حرم افروز و تپیدن آموز

غزل

فریبِ کشمکشِ عقل، دیدنی دارد
که میرِ قافله و ذوقِ رهزنی دارد

نشانِ راه ز عقلِ هزار حیله مپرس
بیا که عشق کمالے ز یک فنی دارد

ز مرگ و زیست چه پرسی دریں رباطِ کہن
که زیست کاهشِ جاں، مرگِ جانکنی دارد

سرِ مزارِ شهیداں یکے عناں درکش
که بےزبانیِ ما حرفِ گفتنی دارد

نه شیخِ شہر، نه شاعر نه خرقه پوش اقبال
فقیرِ راه نشین است و دل غنی دارد

غزل

بتان تازه تراشیدهٔ، دریغ از تو
درونِ خویش نه کاویدهٔ، دریغ از تو

بکوچهٔ که دهد خاک را بهاے بلند
به نیم غمزه نیرزیدهٔ، دریغ از تو

گرفتم این که کتابِ خرد فرو خواندی
حدیثِ شوق نه فهمیدهٔ، دریغ از تو

طواف کعبه زدی، گردِ دیر گردیدی
نگه بخویش نه پیچیدهٔ، دریغ از تو

می‌شود پردهٔ چشمم پرِ کاهے گاہے
دیده ام هر دو جهان را بنگاہے گاہے

وادی عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادهٔ صد ساله بآہے گاہے

در طلب کوش و مده دامنِ امید ز دست
دولتے هست که یابی سرِ راہے گاہے

درونِ سینهٔ ما سوز آرزو ز کجاست؟
سبو ز ماست ، ولے باده در سبو ز کجاست؟

گرفتم این که جهان خاک و ما کف خاکیم
به ذره ذرهٔ ما دردِ جستجو ز کجاست؟

نگاه ما بگریبانِ کهکشان افتد
جنونِ ما ز کجا ، شور ها و هو ز کجاست؟

غزل سرا و نواهاے رفته باز آور
باین فسرده دلان حرفِ دل نواز آور

کنشت و کعبه و بتخانه و کلیسا را
هزار فتنه ازاں چشم نیم باز آور

ز بادهٔ که بخاکِ من آتشے آمیخت
پیالهٔ بجوانانِ نونیاز آور !

نۓ که دل ز نوایش بسینه می رقصد
مۓ که شیشهٔ جان را دهد گداز ، آور

به نیستان عجم باد صبحدم تیز است
شرارهٔ که فرو می چکد ز ساز آور

دل و دیدهٔ که دارم همه لذتِ نظاره
چه گنه اگر تراشم صنمے ز سنگِ خاره

تو بجلوه در نقابی که نگاه بر نتابی
مهِ من! اگر ننالم تو بگو دگر چه چاره

چه شود اگر خرامی بسرائے کاروانے
که متاع نا روانش دلکے است پاره پاره

غزلے زدم که شاید بنوا قرارم آید
تبِ شعله کم نگردد ز گسستنِ شراره

دلِ زندهٔ که دادی به حجاب در نسازد
نگہے بده که بیند شررے بسنگِ خاره

همه پارهٔ دلم را ز سرورِ او نصیبے
غم خود چسان نہادی بدلِ هزار پاره

بشکوهِ بے نیازی ز خدایگان گذشتم
صفتِ مهِ تمامے که گذشت بر ستاره

فصل بهار این چنین ، بانگِ هزار این چنین
چهره کشا، غزل سرا، باده بیار این چنین

اشک چکیده ام ببین، هم به نگاهِ خود نگر
ریز به نیستانِ من برق و شرار این چنین

بادِ بهار را بگو، پے بخیالِ من برد
وادی و دشت را دهد نقش و نگار این چنین

زادهٔ باغ و راغ را از نفسم طراوتے
در چمن تو زیستم با گل و خار این چنین

دل به کسے نباخته ، با دو جهان نساخته!
من بحضورِ تو رسم ، روزِ شمار این چنین

فاختهٔ کهن صفیر نالهٔ من شنید و گفت
کس نه سرود در چمن نغمهٔ پار این چنین

بر عقلِ فلک پیما ترکانه شبیخون به
یک ذرهٔ دردِ دل از علم فلاطون به

دی مغبچهٔ با من اسرارِ محبت گفت
اشکے که فرو خوردی از بادهٔ گلگون به

آن فقر که بے تیغے صد کشورِ دل گیرد
از شوکتِ دارا به، از فرِ فریدون به

در دیرِ مغان آئی مضمونِ بلند آور
در خانقهِ صوفی افسانه و افسون به

در جوے روان ما، بے منتِ طوفانے
یک موج اگر خیزد آن موج ز جیحون به

سیلے که تو آوردی در شهر نمی‌گنجد
این خانه بر اندازے در خلوتِ هامون به

اقبالِ غزل خوان را کافر نتوان گفتن
سودا بدماغش زد از مدرسه بیرون به

یا مسلمان را مده فرمان که جان بر کف بنه
یا درین فرسوده پیکر تازه جانے آفرین

یا چنان کن یا چنین!

یا برهمن را بفرما نوخداوندے تراش
یا خود اندر سینهٔ زنّاریان خلوت گزین

یا چنان کن یا چنین!

یا دگر آدم که از ابلیس باشد کمترک
یا دگر ابلیس بهر امتحانِ عقل و دین

یا چنان کن یا چنین!

یا جهانے تازهٔ یا امتحانے تازهٔ
می کنی تا چند با ما آنچه کردی پیش ازین

یا چنان کن یا چنین!

سوز و گداز ِ زندگی لذت ِ جستجوے تو
راه چو مار می گزد گر نروم بسوے تو

سینه کشاده جبرئیل از بر ِ عاشقان گذشت
تا شررے باوفتد آتش آرزوے تو

هم بهواے جلوهٔ پاره کنم حجاب را
هم بنگاه ِ نا رسا پرده کشم بروے تو

من بتلاش ِ تو روم یا بتلاش خود روم
عقل و دل و نظرهمه گم‌شدگان ِ کوے تو

از چمن ِ تو رسته ام قطرهٔ شبنمے به بخش
خاطر ِ غنچه وا شود کم نشود ز جوے تو

ز هر نقشے که دل از دیده گیرد پاک می آیم
گدائے معنیٔ پاکم ، تہی ادراک می آیم

گہے رسم و رہِ فرزانگی ذوقِ جنون بخشد
من از درس خرد مندان گریبان چاک می آیم

گہے پیچد جہان بر من، گہے من بر جہان پیچم
بگردان باده تا بیرون ازین پیچاک می آیم

نه این جا چشمکِ ساقی ، نه آنجا حرفِ مشتاقی
ز بزم صوفی و مُلّا بسے غمناک می آیم

رسد وقتے که خاصانِ ترا با من فتد کارے
که من صحرائیم پیش ملک بیباک می آیم

ز شاعر نالهٔ مستانه در محشر چه می خواهی
تو خود هنگامهٔ، هنگامهٔ دیگر چه می خواهی

به بحرِ نغمه کردی آشنا طبع روانم را
زچاک سینه ام دریا طلب، گوهر چه می خواهی

نماز بے حضور از من نمی آید، نمی آید
دلے آورده ام دیگر ازین کافر چه می خواهی

نه در اندیشهٔ من کارزارِ کفر و ایمانے
نه درجانِ غم اندوزم هوائے باغِ رضوانے

اگر کاوی درونم را خیالِ خویش را یابی
پریشان جلوهٔ چون ماهتاب اندر بیابانے

خوشتر ز هزار پارسائی
گامے بطریق آشنائی

در سینهٔ من دمے بیاسائے
از محنت و کلفتِ خدائی

ما را ز مقامِ ما خبر کن
مائیم کجا و تو کجائی؟

آن چشمکِ محرمانه یاد آر
تا کے بتغافل آزمائی

دی ماهِ تمام گفت بامن
در ساز بداغ نارسائی

خوش گفت ولے حرام کردند
در مذهبِ عاشقان جدائی

پیشِ تو نهاده ام دل خویش
شاید که تو این گره کشائی!

بجهان درد مندان تو بگو چه کار داری ؟
تب و تاب ما شناسی؟ دلِ بے قرار داری ؟

چه خبر ترا زاشکے که فرو چکد زچشمے
تو به برگِ گُل زشبنم دُرِ شاهوار داری ؟

چه بگویمت زجانے که نفس نفس شمارد
دمِ مستعار داری ؟ غمِ روزگار داری ؟

کفِ خاک برگ و سازم برہے فشانم او را
بامیدِ ایں که روزے بفلک رسانم او را

چه کنم ، چه چاره گیرم که ز شاخِ علم و دانش
نه دمیده هیچ خارے که بدل نشانم او را

دهد آتشِ جدائی شررِ مرا نمودے
به همان نفس بمیرم که فرو نشانم او را

تو بلوحِ سادهٔ من همه مدعا نوشتی
دگر آں چناں ادب کن که غلط نخوانم او را

بحضورِ تو اگر کس غزلے ز من سراید
چه شود اگر نوازی به همیں که 'دانم او را'

رمزِ عشقِ تو به اربابِ هوس نتوان گفت
سخن از تاب و تبِ شعله به خس نتوان گفت

تو مرا ذوقِ بیان دادی و گفتی که بگوے
هست در سینهٔ من آنچه بکس نتوان گفت

از نهان خانهٔ دل خوش غزلے می خیزد
سرِ شاخے همه گویم ، به قفس نتوان گفت

شوق اگر زندهٔ جاوید نباشد عجب است
که حدیثِ تو دریں یک دونفس نتوان گفت

به فغاں نه لب کشودم که فغاں اثر ندارد
غمِ دل نگفته بهتر همه کس جگر ندارد

چه حرم ، چه دیر ، هر جا سخنے ز آشنائی
مگر ایں که کس ز رازِ من و تو خبر ندارد

تو ز راه دیدهٔ ما بضمیر ما گذشتی
مگر آنچناں گذشتی که نگه خبر ندارد

کس ازیں نگیں شناساں نگذشت برنگینم
بتو می سپارم او را که جهاں نظر ندارد

قدحِ خرد فروزے که فرنگ داد مارا
همه آفتاب لیکن اثرِ سحر ندارد

بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

ز مشتاقاں اگر تاب سخن بردی نمیدانی
محبت می کند گویا نگاہ بے زبانے را

کجا نوری کہ غیر از قاصدی چیزے نمی داند
کجا خاکی کہ در آغوش دارد آسمانے را

اگر یک ذرّہ کم گردد ز انگیز وجودِ من
باین قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانے را

من اے دریائے بے پایاں بہ موجِ تو در افتادم
نہ گوہر آرزو دارم نہ می جویم کرانے را

ازاں معنی کہ چوں شبنم بجانِ من فرو ریزی
جہانے تازہ پیدا کردہ ام عرضِ فغانے را

برخیز که آدم را هنگام نمود آمد
این مشتِ غبارے را انجم بسجود آمد

آن راز که پوشیده در سینهٔ هستی بود
از شوخی آب و ِگل در گفت وشنود آمد

مه و ستاره که درراهِ شوق هم سفر اند
کرشمه سنج و ادا فهم و صاحبِ نظر اند

چه جلوه هاست که دیدند در کفِ خاکے
قفا بجانبِ افلاک سوے ما نگرند

خضرِ وقت از خلوتِ دشت حجاز آید برون
کاروان زین وادیٔ دور و دراز آید برون

من بیسمائے غلامان فرّ سلطان دیده ام
شعلهٔ محمود از خاکِ ایاز آید برون

عمر ها در کعبه و بتخانه می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید برون

طرح نو می افگند اندر ضمیر کائنات
ناله ها کز سینهٔ اهل نیاز آید برون

چنگ را گیرید از دستم که کار از دست رفت
نغمه ام خون گشت و از رگهائے ساز آید برون

از غنچهٔ خوابیده چو نرگس نگران خیز
کاشانهٔ ما رفت بتاراجِ غمان خیز
از نالهٔ مرغِ چمن ، از بانگِ اذان خیز
از گرمئی هنگامهٔ آتش نفسان خیز

از خوابِ گران، خوابِ گران ، خواب گران خیز !

از خوابِ گران خیز !

خورشید که پیرایه بسیمای سحر بست
آویزه بگوشِ سحر از خونِ جگر بست
از دشت و جبل قافله ها رختِ سفر بست
اے چشمِ جهان بیں به تماشاے جهان خیز !

از خوابِ گران ، خواب گران ، خوابِ گران خیز !

از خوابِ گران خیز !

خاور همه مانندِ غبارِ سرِ راهی است
یک نالهٔ خاموش و اثر باخته آهی است
هر ذرهٔ این خاک گره خورده نگاهی است
از هند و سمرقند و عراق و همدان خیز!

از خواب گران ، خوابِ گران خوابِ گران خیز!

از خوابِ گران خیز!

دریای تو دریاست که آسوده چو صحراست
دریای تو دریاست که افزون نشد و کاست
بیگانهٔ آشوب و نهنگ است چه دریاست
از سینهٔ چاکش صفتِ موجِ روان خیز!

از خوابِ گران ، خوابِ گران خوابِ گران خیز!

از خوابِ گران خیز!

این نکته کشائندهٔ اسرارِ نهان است
ملک است تنِ خاکی و دین روحِ روان است
تن زنده و جان زنده ز ربطِ تن‌وجان است
با خرقه و سجّاده و شمشیر و سنان خیز!

از خوابِ گران، خوابِ گران، خوابِ گران خیز!

از خوابِ گران خیز!

ناموسِ ازل را تو امینی تو امینی!
دارائے جہان را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی
صهبائے یقین درکش و از دیرِ گمان خیز!

از خوابِ گران، خوابِ گران، خوابِ گران خیز!

از خوابِ گران خیز!

عاشق آن نیست که لب گرمِ فغانے دارد
عاشق آن است که برکف دو جهانے دارد

عاشق آن است که تعمیر کند عالمِ خویش
در نسازد به جهانے که کرانے دارد

دلِ بیدار ندادند به دانائے فرنگ
این قدر هست که چشمے نگرانے دارد

دُردِ من گیر که در میکده ها پیدا نیست
پیر مردے که مئے تند و جوانے دارد

درین چمن دل مرغان زمان زمان دگر است
بشاخِ گل دگر است و بآشیان دگر است

بخود نگر ! گله هاے جهان چه میگوئی
اگر نگاهِ تو دیگر شود جهان دگر است

به هر زمانه اگر چشم تو نکو نگرد
طریقِ میکده و شیوهٔ مغان دگر است

به میرِ قافله از من دعا رسان و بگوے
اگرچه راه همان است کاروان دگر است

خواجه از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفاے ده خدایان کشتِ دهقانان خراب

انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

شیخِ شهر از رشتهٔ تسبیح صد مومن بدام
کافرانِ ساده دل را برهمن زنّار تاب

انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

میر و سلطان نرد باز و کعبتینِ شان دغل
جانِ محکومان ز تن بردند و محکومان بخواب !

انقلاب !
انقلاب ! اے انقلاب !

واعظ اندر مسجد و فرزندِ او در مدرسه
آن به پیری کودکے این پیر در عهدِ شباب

انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

اے مسلمانان فغان از فتنه هاے علم و فن
اهرمن اندر جهان ارزان و یزدان دیر یاب

انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

شوخی باطل نگر! اندر کمینِ حق نشست
شپر از کوری شبیخونے زند بر آفتاب

انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

در کلیسا ابنِ مریم را بدار آویختند!
مصطفیٰ از کعبه هجرت کرده با اُمّ الکتاب!

انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

من درونِ شیشه هائے عصرِ حاضر دیده ام
آنچنان زهرے که از وے مارها در پیچ و تاب!

انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

با ضعیفان گاه نیروے پلنگان می دهند
شعلۂ شاید برون آید ز فانوسِ حباب!

انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

کشادہ رو ز خوش و نا خوش زمانہ گذر
ز گلشن و قفس و دام و آشیانہ گذر

گرفتم این کہ غریبی و رہ‌شناس نۂ
بکوے دوست بانداز محرمانہ گذر

بہر نفس کہ بر آری جہان دگرگون کن
درین رباطِ کہن صورتِ زمانہ گذر

اگر عنانِ تو جبریل و حور می گیرند
کرشمہ بر دلِ شان ریز و دلبرانہ گذر

غزل

زندگی در صدفِ خویش گہر ساختن است
در دلِ شعله فرو رفتن و نگداختن است

عشق ازین گنبدِ در بسته برون تاختن است
شیشهٔ ماه زِ طاقِ فلک انداختن است

سلطنت نقدِ دل و دین ز کف انداختن است
به یکے داو جہاں بردن و جان باختن است

حکمت و فلسفه را همتے مردے باید
تیغِ اندیشه بروے دو جہان آختن است

مذهبِ زنده دلاں خواب پریشانے نیست
از همیں خاک جہانِ دگرے ساختن است

غزل

کشیدی باده‌ها در صحبتِ بیگانه پے در پے
بنورِ دیگران افروختی پیمانه پے در پے!

ز دستِ ساقیٔ خاور دو جامِ ارغوان در کش
که از خاکِ تو خیزد نالهٔ مستانه پے در پے

دلے کو از تب و تابِ تمنا آشنا گردد
زند بر شعله خود را صورتِ پروانه پے در پے

ز اشکِ صبحگاهی زندگی را برگ و ساز آور
شود کشتِ تو ویران تا نه ریزی دانه پے در پے

بگردان جام و از هنگامهٔ افرنگ کمتر گوے
هزاران کاروان بگذشت ازین ویرانه پے در پے

من هیچ نمی ترسم از حادثهٔ شب ها
شب ها که سحر گردد از گردش کوکب ها

نشناخت مقامِ خویش ، افتاده بدامِ خویش !
عشقے که نمودے خواست از شورشِ یا رب ها !

آهے که ز دل خیزد از بہر جگر سوزی است
در سینه شکن او را ، آلوده مکن لب ها !

در میکده باقی نیست از ساقیٔ فطرت خواه
آن مے که نمی گنجد در شیشهٔ مشرب ها

آسوده نمی گردد آن دل که گسست از دوست
با قرأت مسجد ها ، با دانش مکتب ها !

جهان رنگ و بو پیدا تو می گوئی که راز است این
یکے خود را بتارش زن که تو مضراب و ساز است این

نگاهِ جلوه بدمست از صفاے جلوه می لغزد
تو می گوئی حجاب است این، نقاب است این، مجاز است این

بیا درکش طنابِ پرده هاے نیلکونش را
که مثلِ شعله عریان بر نگاهِ پاکباز است این

مرا این خاکدانِ من ز فردوسِ برین خوشتر
مقامِ ذوق و شوق است این ، حریم سوز و ساز است این

زمانے گم کنم خود را ، زمانے گم کنم او را
زمانے هر دو را یابم ! چه راز است این ! چه راز است این !

من بندهٔ آزادم ، عشق است امامِ من
عشق است امامِ من، عقل است غلامِ من

هنگامهٔ این محفل از گردشِ جامِ من
این کوکبِ شامِ من ، این ماه تمامِ من

جان در عدم آسوده بے ذوقِ تمنا بود
مستانه نواها زد در حلقهٔ دامِ من

اے عالمِ رنگ و بو، این صحبتِ ما تا چند
مرگ است دوامِ تو عشق است دوامِ من!

پیدا بضمیرم او ، پنهان بضمیرم او
این است مقامِ او ، دریاب مقامِ من

خود را کنم سجودے ، دیر و حرم نمانده
این در عرب نمانده ، آن در عجم نمانده

در کارگاہِ گیتی نقشِ نوی نه بینم
شاید که نقشِ دیگر اندر عدم نمانده

بے منزل آرمیدند پا از طلب کشیدند
شاید که خاکیان را در سینه دم نمانده

یا در بیاضِ امکان یک برگِ سادهٔ نیست
یا خامهٔ قضا را تابِ رقم نمانده!

مئے دیرینه و معشوقِ جوان چیزے نیست
پیشِ صاحب نظران حورِ جنان چیزے نیست!

از خود اندیش و ازین بادیه ترسان مگذر
که تو هستی و وجودِ دو جهان چیزے نیست

در طریقے که بنوکِ مژه کاویدم من
منزل و قافله و ریگِ روان چیزے نیست!

بگذر از غیب که این وهم و گمان چیزے نیست
در جهان بودن و رستن ز جهان، چیزے نیست

آن بهشتے که خدائے بتو بخشد همه هیچ
تا جزائے عملِ تست جنان، چیزے هست!

بآدمے نرسیدی ، خدا چه می جوئی؟
ز خود گریخته‌ٔ آشنا چه می جوئی؟

دگر بشاخِ گل آویز و آب و نم درکش
پریده رنگ ! ز بادِ صبا چه می جوئی؟

دو قطره خونِ دل است آنچه مشک می نامند
تو اے غزالِ حرم ، در خطا چه می جوئی؟

عیارِ فقر ز سلطانی و جهانگیری است
سریرِ جم بطلب ، بوریا چه می جوئی؟

قلندریم و کراماتِ ما جهان بینی است
ز ما نگاه طلب ، کیمیا چه می جوئی؟

بیا که سازِ فرنگ از نوا بر افتاد است
درونِ پردۂ او نغمه نیست، فریاد است

زمانه کهنه بتان را هزار بار آراست
من از حرم نگذشتم که پخته بنیاد است

خوشا نصیب که خاکِ تو آرمید اینجا
که این زمین ز طلسمِ فرنگ آزاد است

هزار مرتبه کابل نکوتر از دلّی است
که آن عجوزه عروسِ هزار داماد است

درونِ دیده نگه دارم اشکِ خونین را
که من فقیرم و این دولتِ خدا داد است

اگرچه پیرِ حرم وردِ لاالهَ دارد
کجا نگاه که بُرّنده تر ز پولاد است

از دیرِ مغاں آیم بے گردشِ صہبا مست
در منزلِ لا بودم از بادۂ اِلاّ مست

دانم که نگاهِ او ظرفِ همه کس بیند
کرد است مرا ساقی از عشوۂ ایما مست

این کارِ حکیمے نیست، دامانِ کلیمے گیر
صد بندۂ ساحل مست ، یک بندۂ دریا مست

دل را بچمن بردم از بادِ چمن افسرد
میرد بخیابانها این لالۂ صحرا مست

از حرفِ دلآویزش اسرارِ حرم پیدا
دی کافر کے دیدم در وادیٔ بطحا مست

غزل

سوزِ سخن ز نالهٔ مستانهٔ دل است
این شمع را فروغ ز پروانهٔ دل است

مشتِ کلیم و ذوقِ فغانے نداشتیم
غوغاے ما ز گردشِ پیمانهٔ دل است

این تیره خاکداں که جهاں نام کردهٔ
فرسوده پیکرے ز صنم خانهٔ دل است

محمودِ غزنوی که صنم خانه ها شکست
زناریٔ بتانِ صنم خانهٔ دل است

غافل ترے ز مرد مسلماں ندیده ام
دل درمیان سینه و بیگانهٔ دل است

غزل

یا مسلمان را مده فرمان که جان بر کف بنه
یا درین فرسوده پیکر، تازه جانے آفرین

یا چنان کن یا چنین

یا برهمن را بفرما ، نو خداوندے تراش
یا خود اندر سینهٔ زنّاریان خلوت گزین

یا چنان کن یا چنین

یا جهانے تازهٔ یا امتحانے تازهٔ
می کنی تا چند با ما ، آنچه کردی پیش ازین

یا چنان کن یا چنین

فقر بخشی با شکوه خسرو پرویز بخش
یا عطا فرما خرد ، با فطرتِ روح الامین

یا چنان کن یا چنین

سوز و گداز زندگی لذت جستجوے تو
راه چو مار می گزد گر نه روم بسوے تو

سینه کشاده جبرئیل از بر عاشقاں گذشت
تا شررے باوفتد آتش آرزوے تو

من بتلاش تو روم یا بتلاش خود رَوم
عقل و دل و نظر همه گم شدگانِ کوے تو

از چمن تو رُسته ام قطرهٔ شبنمے به بخش
خاطر غنچه وا شود ، کم نشود ز جوے تو

به فغان نه لب کشودم که فغان اثر ندارد
غمِ دل نگفته بهتر همه کس جگر ندارد

چه حرم چه دیر هر جا سخنے ز آشنائی
مگر این که کس ز رازِ من و تو، خبر ندارد

تو ز راهِ دیدۀ ما بضمیرِ ما گذشتی
مگر آنچنان گذشتی که نگه خبر ندارد

کس ازین نگین شناسان نگذشت بر نگینم
بتو می سپارم او را که جهان نظر ندارد

قدحِ خرد فروزے که فرنگ داد ما را
همه آفتاب لیکن اثر سحر ندارد